

(۲۶۱)

جب امیر المؤمنین علیؑ کو یہ اطلاع ملی کہ معاویہ کے ساتھیوں نے (شہر) انبار پر دھاوا کیا ہے تو آپؑ بنفس نفیس پیادہ پا چل کھڑے ہوئے، یہاں تک کہ ٹھیلہ تک پہنچ گئے۔ اتنے میں لوگ بھی آپؑ کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگے: یا امیر المؤمنین! ہم دشمن سے نپٹ لیں گے، آپؑ کے تشریف لے جانے کی ضرورت نہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ:

تم اپنے سے تو میرا بچاؤ کر نہیں سکتے، دوسروں سے کیا بچاؤ کرو گے۔ مجھ سے پہلے رعایا اپنے حاکموں کے ظلم و جور کی شکایت کیا کرتی تھی مگر میں آج اپنی رعیت کی زیادتیوں کا گلہ کرتا ہوں۔ گویا کہ میں رعیت ہوں اور وہ حاکم اور میں حلقہ بگوش ہوں اور وہ فرمانروا۔

(سید رضیؒ کہتے ہیں کہ: جب امیر المؤمنین علیؑ نے ایک طویل کلام کے ذیل میں کہ جس کا منتخب حصہ ہم خطب میں درج کر چکے ہیں، یہ کلمات ارشاد فرمائے تو آپؑ کے اصحاب میں سے دو شخص اٹھ کھڑے ہوئے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ: یا امیر المؤمنین! مجھے اپنی ذات اور اپنے بھائی کے علاوہ کسی پر اختیار نہیں تو آپؑ ہمیں حکم دیں ہم اسے بجالائیں گے، جس پر حضرت نے فرمایا کہ:

میں جو چاہتا ہوں وہ تم دو آدمیوں سے کہاں سرانجام پاسکتا ہے؟۔

(۲۶۲)

بیان کیا گیا ہے کہ حارث ابن حوط حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ: کیا آپؑ کے خیال میں مجھے اس کا گمان بھی ہو سکتا ہے کہ اصحابِ جمل گمراہ تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ:

اے حارث! تم نے نیچے کی طرف دیکھا، اوپر کی طرف نگاہ نہیں ڈالی، جس کے نتیجے میں تم حیران و سرگردان ہو گئے ہو۔ تم حق ہی کو نہیں

(۲۶۱) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لَمَّا بَلَغَهُ إِعَارَةُ أَصْحَابِ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْأَثْبَارِ، فَخَرَجَ بِنَفْسِهِ مَا شَاءَ، حَتَّى آتَى الثُّخَيْلَةَ، فَأَذْرَكَهُ النَّاسُ، وَ قَالُوا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! نَحْنُ نَكْفِيكُمْ، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

مَا تَكْفُونَنِي أَنْفُسَكُمْ، فَكَيْفَ تَكْفُونَنِي غَيْرَكُمْ؟ إِنْ كَانَتِ الرَّعَايَا قَبْنِي لَتَشْكُوا حَيْفَ رِعَاتِهَا، وَإِنِّي الْيَوْمَ لَأَشْكُو حَيْفَ رِعَاتِي، كَأَنَّي الْمَقْدُودُ وَ هُمُ الْقَادَةُ، أَوْ الْمَوْزُوعُ وَ هُمُ الْوَزَعَةُ.

فَلَمَّا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هَذَا الْقَوْلَ، فِي كَلَامٍ طَوِيلٍ، قَدْ ذَكَرْنَا مُخْتَارَهُ فِي جُمْلَةِ الْخُطْبِ، تَقَدَّمَ إِلَيْهِ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا: إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَ أَخِي، فَمُرْنَا بِأَهْرَكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! نَنْفُذُ لَهُ، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

وَ أَيْنَ تَقَعَانِ مِمَّا أَرِيدُ؟.

(۲۶۲) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَ قِيلَ: إِنَّ الْحَارِثَ بْنَ حَوْطٍ آتَاهُ، فَقَالَ: أَنْزَانِي أَطْنُ أَصْحَابَ الْجَمَلِ كَانُوا عَلَى صَلَالَةٍ؟، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:

يَا حَارِثُ! إِنَّكَ نَظَرْتَ تَحْتَكَ، وَ لَمْ تَنْظُرْ فَوْقَكَ فَحِزْتُ! إِنَّكَ لَمْ تَعْرِفِ الْحَقَّ

جانتے کہ حق والوں کو جانو اور باطل ہی کو نہیں پہچانتے کہ باطل کی راہ پر چلنے والوں کو پہچانو۔

حارث نے کہا کہ: میں سعد ابن مالک اور عبد اللہ ابن عمر کے ساتھ گوشہ گزیں ہو جاؤں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ:

سعد اور عبد اللہ ابن عمر نے نہ حق کی مدد کی اور نہ باطل کی نصرت سے ہاتھ اٹھایا۔

فَتَعْرِفَ مَنْ آتَاهُ، وَ لَمْ تَعْرِفِ الْبَاطِلَ
فَتَعْرِفَ مَنْ آتَاهُ.

فَقَالَ الْحَارِثُ: فَإِنِّي أَعْتَزِلُ مَعَ سَعْدِ بْنِ
مَالِكٍ وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ؟ فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ:
إِنَّ سَعْدًا وَ عَبْدِ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ لَمْ يَنْصُرَا
الْحَقَّ وَ لَمْ يَخْذُلَا الْبَاطِلَ.

سعد ابن مالک (سعد بن ابی وقاص) اور عبد اللہ ابن عمران لوگوں میں سے تھے جو امیر المؤمنین علیہ السلام کی رفاقت و ہمنوائی سے منہ موڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ سعد ابن ابی وقاص تو حضرت عثمان کے قتل کے بعد ایک صحرا کی طرف منتقل ہو گئے اور وہیں زندگی گزار دی اور حضرت کی بیعت نہ کرنا تھی، نہ کی اور عبد اللہ ابن عمر نے اگرچہ بیعت کر لی تھی، مگر جنگوں میں حضرت کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا اور عذر یہ پیش کیا تھا کہ میں عبادت کیلئے گوشہ نشینی اختیار کر چکا ہوں، اب حرب و بیکار سے کوئی سر و کار کھنا نہیں چاہتا۔

عذرہاں این چنین نزد خود
بیشکی عذری است بدتر از گناہ

☆☆☆☆☆

(۲۶۳)

بادشاہ کا ندیم و مصاحب ایسا ہے جیسے شیر پر سوار ہونے والا کہ اس کے مرتبہ پر رشک کیا جاتا ہے، لیکن وہ اپنے موقف سے خوب واقف ہے۔

(۲۶۳) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

صَاحِبُ السُّلْطَانِ كَرَاكِبِ الْأَسَدِ:
يُغْبِطُ بِمَوْقِعِهِ، وَ هُوَ أَعْلَمُ
بِمَوْضِعِهِ.

مقصود یہ ہے کہ جسے بارگاہ سلطانی میں تقرب حاصل ہوتا ہے لوگ اس کے جاہ و منصب اور عزت و اقبال کو رشک کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، مگر خود اسے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں بادشاہ کی نظر میں اس سے پھر نہ جائیں اور وہ ذلت و رسوائی یا موت و تباہی کے گڑھے میں نہ جا پڑے، جیسے شیر سوار کہ لوگ اس سے مرعوب ہوتے ہیں اور وہ اس خطرہ میں گھرا ہوتا ہے کہ کہیں یہ شیر اسے پھاڑ نہ کھائے یا کسی مہلک گڑھے میں نہ جا گرائے۔

☆☆☆☆☆

(۲۶۴)

دوسروں کے پسماندگان سے بھلائی کرو، تاکہ تمہارے پسماندگان پر بھی نظرِ شفقت پڑے۔

(۲۶۵)

جب حکماء کا کلام صحیح ہو تو وہ دوا ہے اور غلط ہو تو سراسر مرض ہے۔

(۲۶۴) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

أَحْسِنُوا فِي عَقِبِ غَيْرِكُمْ تُحْفَظُوا فِي عَقِبِكُمْ.

(۲۶۵) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

إِنَّ كَلَامَ الْحُكَمَاءِ إِنْ كَانَ صَوَابًا كَانَ دَوَاءً، وَإِذَا كَانَ خَطَأً كَانَ دَاءً.

علمائے مصلحین کا طبقہ اصلاح کا بھی ذمہ دار ہوتا ہے اور فساد کا بھی، کیونکہ عوام ان کے زیر اثر ہوتے ہیں اور ان کے قول و عمل کو صحیح و معیاری سمجھتے ہوئے اس سے استناد کرتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس صورت میں اگر ان کی تعلیم اصلاح کی حامل ہوگی تو اسکے نتیجے میں ہزاروں افراد اصلاح و رشد سے آراستہ ہو جائیں گے اور اگر اس میں خرابی ہوگی تو اس کے نتیجے میں ہزاروں افراد گمراہی و بے راہروی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ: «إِذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَمُ»: «جب عالم میں فساد رونما ہوتا ہے تو اس فساد کا اثر ایک دنیا پر پڑتا ہے»۔

☆☆☆☆☆

(۲۶۶)

حضرت سے ایک شخص نے سوال کیا کہ: ایمان کی تعریف کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

کل میرے پاس آنا، تاکہ میں تمہیں اس موقع پر بتاؤں کہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں کہ اگر تم بھول جاؤ تو دوسرے یاد رکھیں۔ اس لئے کہ کلام بھڑکے ہوئے شکار کے مانند ہوتا ہے کہ ایک کی گرفت میں آجاتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

(سید رضیؒ کہتے ہیں کہ:) حضرت نے اس کے بعد جو جواب دیا وہ ہم اسی باب میں پہلے درج کر چکے ہیں اور وہ آپ کا یہ ارشاد تھا کہ: «الایمان علی اربع شعب» (ایمان کی چار چیزیں ہیں)۔

(۲۶۷)

اے فرزند آدم! اس دن کی فکر کا بار جو ابھی آیا نہیں آج کے اپنے دن پر نہ ڈال کہ جو اچکا ہے۔ اس لئے کہ اگر ایک دن بھی تیری عمر کا باقی

(۲۶۶) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَ سَأَلَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ رَجُلٌ أَرَبٌ يُحَرِّفُهُ الْإِيمَانَ، فَقَالَ:

إِذَا كَانَ الْعَدُوُّ فَاتِنِي حَتَّى أُخْبِرَكَ عَلَى أَسْمَاعِ النَّاسِ، فَإِنْ تَسَبَّيْتِ مَقَالَتِي حَفِظَهَا عَلَيْكَ غَيْرِيكَ، فَإِنَّ الْكَلَامَ كَالشَّارِدَةِ، يَنْقُطُهَا هَذَا وَيُحْطِئُهَا هَذَا.

وَ قَدْ ذَكَّرْنَا مَا أَجَابَهُ بِهِ فِيمَا تَقَدَّمَ مِنْ هَذَا الْبَابِ وَ هُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: «الْإِيمَانُ عَلَى أَرْبَعِ شُعَبٍ».

(۲۶۷) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

يَا ابْنَ آدَمَ! لَا تَحْمِلْ هَمَّ يَوْمِكَ الَّذِي لَمْ يَأْتِكَ عَلَى يَوْمِكَ الَّذِي قَدْ آتَاكَ، فَإِنَّهُ

ہوگا تو اللہ تیرا رزق تجھ تک پہنچائے گا۔

(۲۶۸)

اپنے دوست سے بس ایک حد تک محبت کرو، کیونکہ شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن ہو جائے، اور دشمن کی دشمنی بس ایک حد میں رکھو، ہو سکتا ہے کہ کسی دن وہ تمہارا دوست ہو جائے۔

(۲۶۹)

دنیا میں کام کرنے والے دو قسم کے ہیں:

ایک وہ جو دنیا کیلئے سرگرم عمل رہتا ہے اور اسے دنیا نے آخرت سے روک رکھا ہے۔ وہ اپنے پیمانندگان کیلئے فقر و فاقہ کا خوف کرتا ہے، مگر اپنی تنگدستی سے مطمئن ہے تو وہ دوسروں کے فائدہ ہی میں پوری عمر بسر کر دیتا ہے۔

اور ایک وہ ہے جو دنیا میں رہ کر اس کے بعد کی منزل کیلئے عمل کرتا ہے، تو اسے تگ و دو کئے بغیر دنیا بھی حاصل ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ دونوں حصوں کو سمیٹ لیتا ہے اور دونوں گھروں کا مالک بن جاتا ہے۔ وہ اللہ کے نزدیک باوقار ہوتا ہے اور اللہ سے کوئی حاجت نہیں مانگتا جو اللہ پوری نہ کرے۔

(۲۷۰)

بیان کیا گیا ہے کہ عمر ابن خطاب کے سامنے خانہ کعبہ کے زیورات اور ان کی کمزرت کا ذکر ہوا تو کچھ لوگوں نے ان سے کہا کہ اگر آپ ان زیورات کو لے لیں اور انہیں مسلمانوں کے لشکر پر صرف کر کے ان کی روانگی کا سامان کریں تو زیادہ باعث اجر ہوگا، خانہ کعبہ کو ان زیورات کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ عمر نے اس کا ارادہ کر لیا اور امیر المؤمنین علیؑ سے اس کے بارے میں مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ:

جب قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تو اس وقت چار قسم

إِنَّ يَكُ مِنْ عُمْرِكَ يَا تِ اللَّهِ فِيهِ بَرِّزُكَ.

(۲۶۸) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

أَحِبَّ حَبِيبَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُونَ بَغِيضَكَ يَوْمًا مَّا، وَ أَبْغُضْ بَغِيضَكَ هَوْنًا مَّا، عَسَى أَنْ يَكُونَ حَبِيبَكَ يَوْمًا مَّا.

(۲۶۹) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

النَّاسُ فِي الدُّنْيَا عَامِلَانِ:

عَامِلٌ عَمِلَ فِي الدُّنْيَا لِلدُّنْيَا، قَدْ شَغَلَتْهُ دُنْيَاهُ عَنْ أُخْرَتِهِ، يَخْشَى عَلَى مَنْ يَخْلُفُهُ الْفَقْرَ، وَ يَأْمَنُهُ عَلَى نَفْسِهِ، فَيَقْبَلُ عُمْرَهُ فِي مَنَفَعَةٍ غَيْرِهِ.

وَ عَامِلٌ عَمِلَ فِي الدُّنْيَا لِمَا بَعْدَهَا، فَجَاءَهُ الَّذِي لَهُ مِنَ الدُّنْيَا بِغَيْرِ عَمَلٍ، فَأَحْرَزَ الْحَظَّيْنِ مَعًا، وَ مَلَكَ الدَّارَيْنِ جَمِيعًا، فَاصْبَحَ وَجِيهًا عِنْدَ اللَّهِ، لَا يَسْأَلُ اللَّهُ حَاجَةً فَيَمْنَعَهُ.

(۲۷۰) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

وَرُوِيَ أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِيَ أَيَّامِهِ حُلَى الْكَعْبَةِ وَ كَثْرَتُهُ، فَقَالَ قَوْمٌ: لَوْ أَخَذْتَهُ فَجَهَّزْت بِهِ جُيُوشَ الْمُسْلِمِينَ كَانَتْ أَعْظَمَ لِلْأَجْرِ، وَ مَا تَصْنَعُ الْكَعْبَةُ بِالْحُلَى، فَهَمَّ عُمَرُ بِذَلِكَ وَ سَأَلَ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيًّا، فَقَالَ عَلِيٌّ:

إِنَّ الْقُرْآنَ أَنْزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کے اموال تھے: ایک مسلمانوں کا ذاتی مال تھا۔ اسے آپ نے ان کے وارثوں میں ان کے حصہ کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ دوسرا مال غنیمت تھا۔ اسے اس کے مستحقین پر تقسیم کیا۔ تیسرا مال خمس تھا۔ اس مال کے اللہ تعالیٰ نے خاص مصارف مقرر کر دیئے۔ چوتھے زکوٰۃ و صدقات تھے۔ انہیں اللہ نے وہاں صرف کرنے کا حکم دیا جو ان کا مصرف ہے۔ یہ خانہ کعبہ کے زیورات اس زمانہ میں بھی موجود تھے، لیکن اللہ نے ان کو ان کے حال پر رہنے دیا اور ایسا بھولے سے تو نہیں ہوا، اور نہ ان کا وجود اس پر پوشیدہ تھا۔ لہذا آپ بھی انہیں وہیں رہنے دیجئے جہاں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے انہیں رکھا ہے۔

یہ کن عمر نے کہا کہ: ”اگر آپ نہ ہوتے تو ہم رسوا ہو جاتے“۔ اور زیورات کو ان کی حالت پر رہنے دیا۔

(۲۷۱)

روایت کی گئی ہے کہ حضرتؓ کے سامنے دو آدمیوں کو پیش کیا گیا جنہوں نے بیت المال میں چوری کی تھی۔ ایک تو ان میں غلام اور خود بیت المال کی ملکیت تھا اور دوسرا لوگوں میں سے کسی کی ملکیت میں تھا۔ آپ نے فرمایا کہ: یہ غلام جو بیت المال کا ہے اس پر حد جاری نہیں ہو سکتی، کیونکہ اللہ کا مال اللہ کے مال ہی نے کھایا ہے، لیکن دوسرے پر حد جاری ہوگی۔ چنانچہ اس کا ہاتھ قطع کر دیا۔

(۲۷۲)

اگر ان پھسلنوں سے بچ کر میرے پیر جم گئے تو میں بہت سی چیزوں میں تبدیلی کر دوں گا۔

الْأَمْوَالُ أَرْبَعَةٌ: أَمْوَالُ الْمُسْلِمِينَ فَتَقْسَمُهَا بَيْنَ الْوَرِثَةِ فِي الْفَرَأِئِضِ، وَ الْفَتَىٰ فَقَسَمَهُ عَلَىٰ مُسْتَحِقِّهِ، وَ الْخُمْسُ فَوَضَعَهُ اللَّهُ حَيْثُ وَضَعَهُ، وَ الصَّدَقَاتُ فَجَعَلَهَا اللَّهُ حَيْثُ جَعَلَهَا، وَ كَانَ حَلِيُّ الْكُعْبَةِ فِيهَا يَوْمَئِذٍ فَتَرَكَهُ اللَّهُ عَلَىٰ حَالِهِ، وَ لَمْ يَتْرُكْهُ نَسِيَانًا، وَ لَمْ يَخْفَ عَلَيْهِ مَكَانًا، فَأَقْرَهُ حَيْثُ أَقْرَهُ اللَّهُ وَ رَسُولُهُ ﷺ.

فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: «لَوْلَاكَ لَا فَتَضْحَنَا». وَ تَرَكَ الْحَلِيَّ بِحَالِهِ.

(۲۷۱) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

رُوي أَنَّهُ ﷺ رَفَعَ إِلَيْهِ رَجُلَانِ سَرَقَا مِنْ مَالِ اللَّهِ، أَحَدُهُمَا عَبْدٌ مِنْ مَالِ اللَّهِ وَ الْآخَرُ مِنْ عُرُوضِ النَّاسِ، قَالَ ﷺ: أَمَّا هَذَا فَهُوَ مِنْ مَالِ اللَّهِ وَ لَا حَدَّ عَلَيْهِ، مَالُ اللَّهِ أَكَلَ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَ أَمَّا الْآخَرُ فَعَلَيْهِ الْحَدُّ. فَفَطَعَ يَدَهُ.

(۲۷۲) وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

لَوْ قَدِ اسْتَوَتْ قَدَمَايَ مِنْ هَذِهِ الْمَدَاحِضِ لَعَيَّرْتُ أَشْيَاءَ.

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے بعد دین میں تغیرات رونما ہونا شروع ہو گئے اور کچھ افراد نے قیاس و رائے سے کام لے کر احکام شریعت میں ترمیم و تنسیخ کی بنیاد ڈال دی۔ حالانکہ حکم شرعی میں تبدیلی کا کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن و سنت کے واضح احکام کو ٹھکرا کر اپنے قیاسی احکام کا نفاذ کرے۔ چنانچہ قرآن کریم میں طلاق کی یہ واضح صورت بیان ہوئی ہے کہ: ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ﴾: ”طلاق (رجعی) جس میں